مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی (لندن)

قرآن فہمی کے لیے بھی مغرب کی شاگردی؟

ایک طرف یہاں مغرب سے نفرت کے علمبردار، وہ نام نہاد مبلغین اسلام ہیں جو اسلام کے نام پر نوجوانوں کو سبق دیتے ہیں کہ ''غیر مسلم کی جان کی کوئی قیمت نہیں اور ان کا شہری، غیر شہری، قصور وار، بے قصور سب برابر ہیں۔'' (دی نیوز لندن ۲۰/اپریل ۲۰۰۴ء کی رپورٹ ''شیخ'' عمر بکری کے حوالہ سے) دوسری طرف مغرب کے لیے کشادہ دلی کی یہ انتہا بھی کہ اب قرآن سمجھنے کے لیے بھی ہم مغرب کی شاگردی قبول کریں تو کام بنے گا۔ اگر پہلی بات کے لیے ایک ''شیخ'' کی جہالت سے کم تر کوئی تعبیر موزوں نہیں ہوسکتی تو دوسری بھی کم المناک نہیں ہے اور اس کی تازہ مثال ۲۸/اپریل ۲۰۰۴ء کے ''جنگ'' کا مضمون ''عقل والوں کے لیے اشارے'' ہے۔ مصنف نے فرنچ ڈاکٹر موریس بکائے کی شہرت یافتہ کتاب کے حوالہ سے جو کچھ لکھا ہے، وہ یہی تاثر دینے والا ہے کہ قرآن کو موریس کی طرح ایک سائنسدان کی نظر سے دیکھا جائے، تب اس کی گہرائیاں قاری پر روشن ہوسکیں گی۔

کتاب اللہ کی گہرائیوں تک پہنچنے اور لوگوں کو اس کی ترغیب دینے کا جذبہ نہایت خوش آئند اور قابل تحسین ہے مگر یہ وادی بہت سنبھل کر قدم رکھنے کی ہے۔ قرآن جب یہ کہتا ہے کہ ''اس میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں'' تو وہ یہ بھی بتانا جانتا ہے کہ کونسی عقل کی بات ہورہی ہے۔ آیا یہ وہ عقل ہے، جس کی طرف ہمیں سائنس دانوں کی طرف دیکھنا چاہیے یا یہ کوئی اور ہی عقل ہے؟ مثلاً تیسری سورۃ آل عمران میں ارشاد ہوا ہے:

ترجمہ: ''بے شک آسمانوں اور زمین کی خلقت اور رات اور دن کی آمد و رفت میں عقل والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں، وہ کہ جو کھڑے بیٹھے اور لیٹے خدا کو یاد کئے رہتے ہیں اور غور کیا کرتے ہیں آسمانوں اور زمین کی خلقت پر، ان کی دعا ہوتی ہے کہ اے ہمارے رب! تو نے یہ کارخانہ بے مقصد نہیں بنایا۔ تو اس سے پاک ہے کہ کوئی عبث کام کرے۔ سو تو ہمیں دوزخ کی آگ سے بچا۔ اے ہمارے رب! جس کو تو نے آگ میں ڈالا۔ بے شک تو نے اس کو رسوا کر دیا اور ظالموں کا کوئی بھی مددگار نہیں۔ اے ہمارے رب! ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا ایمان کی دعوت دیتے کہ اے لوگو! اپنے رب پر ایمان لاؤ تو ہم ایمان لائے۔ اے ہمارے رب! ہمارے گناہوں کو بخش دے، ہماری برائیوں کو ہم سے دور کردے اور ہمیں موت اپنے وفادار بندوں کے ساتھ دے۔ اے ہمارے رب! ہمیں بخش وہ کچھ جس کا تو نے اپنے رسولوں کے ذریعے ہم سے وعدہ فرمایا ہے اور قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ فرما۔ تو بیشک اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرے گا۔ (آیات ۱۹۰ تا ۱۹۴)

یہ وہ عقل ہے جسے دین کی اصطلاحی زبان میں ''عقلِ معاد'' (فکرِ آخرت والی عقل) کہا جاتا ہے۔ اور یہ ان

اصحاب ایمان کو حاصل ہوتی ہے جنہیں سوتے جاگتے اللہ رضا و نارضا اور آخرت کا عذاب و ثواب اور پروردگار سے رحم و کرم کی التجا کرنا یاد آیا کرتا ہے لیکن اگر یہ عقل میسر نہ ہو بلکہ وہ عقل حاوی ہو جسے ''عقل معاش'' (فکرِ دنیا والی عقل) کہتے ہیں تو کتابِ کائنات کے مطالعہ ہی میں نہیں خود قرآن میں بھی عین اس جگہ پر جہاں آخرت یاد دلائی جا رہی ہے سائنس اور ٹیکنالوجی کے فارمولے بیان ہوتے نظر آسکتے ہیں۔ ڈاکٹر مورس بکائے کو اگر سورۂ رحمٰن (آیت نمبر ۳۳) میں اِلَّا بِسُلۡطٰنٍ کے الفاظ میں یہ سائنسی اشارہ نظر آیا کہ ٹیکنالوجی کی طاقت سے انسان خلا کی ہر مزاحمت کو توڑ سکتا اور ستاروں پر کمند ڈال سکتا ہے جیسا کہ ہمارے زمانہ میں ہو رہا ہے تو یہ ''فہمِ قرآن'' نری عقلِ معاش ہی کا کرشمہ ہے۔ ورنہ سورۃ کی آیت ۳۱ سے بالکل آخری آیت تک صرف اور صرف حشر نشر اور جنت دوزخ کا بیان ہو رہا ہے اور اس بیان کے کسی جملہ میں سائنس کے فارمولے پڑھنا سوائے ایک ایسے شخص کے جو خدانخواستہ عقل معاد سے بالکل ہی محروم ہو کسی اور کے لیے تو بالکل ممکن نہیں۔

ہمارے یہاں نومسلموں کی گرم جوش پذیرائی کی روایت تو قدیم ہے مگر اس کا یہ رخ بالکل نیا ہے کہ ان میں کوئی قرآن فہمی کی طرف متوجہ ہوا ہے تو ہم اسے امام بنالیں! بالخصوص جب کہ وہ یورپ سے تعلق رکھتا ہو مگر یہ نہ قرآن کے ساتھ انصاف ہے نہ اپنے ساتھ۔ جرمن نومسلم محمد اسد صاحب مرحوم جو ایک اسلامی اسکالر کا درجہ پا گئے تھے انہوں نے بھی جب فہمِ قرآن کو انگریزی ترجمہ اور تشریح کی شکل میں پیش کیا تو بعض مقامات پر ان کی بھی مغربیت اپنا اثر دکھائے بغیر نہیں رہ سکی ہے اس کی بہت واضح مثال قرآن کی انیسویں سورہ مریم پر موصوف کے تشریحی نوٹ ہیں۔ یہ سورۃ اللہ کی کچھ خاص معجزانہ تخلیقات کا ایک باب سامنے لاتی ہے۔ مگر جدید مغربی ذہن جو کسی مادی مظہر (Effect) کے لیے مادی علت (Cause) کے ''عقیدہ'' کا اسیر ہے اس لیے معجزوں کی بات نہایت کڑوا گھونٹ ہیں۔ چنانچہ جو دیکھنا چاہے وہ اس سورہ کے نوٹس میں کھلی آنکھوں دیکھ سکتا ہے کہ محمد اسد صاحب نے حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ (علیہما السلام) کی پیدائش کے قرآنی بیانات کی معجزانہ نوعیت کو قبول کرنے سے بچنے کے لیے کیسی کیسی ذہانت آزمائی ہے اور ذہین تو وہ تھے ہی۔ مگر یہ وہی ذہانت ہے جس کا تعلق عقلِ معاش سے ہے۔ جبکہ قرآن فہمی کے لیے عقل معاد سے حصہ چاہئے۔ یہ جو قرآن کھولتے ہی ہمارے سامنے اس کتاب ہدایت کے بارے میں آتا ہے ''اس میں تقویٰ والوں کے لیے ہدایت ہے''، تو یہ ''تقویٰ والے'' کون لوگ ہیں، کہ قرآن پڑھنے سے پہلے ہی وہ متقی ہو گئے؟ یہ وہی خوش نصیب ہیں کہ یومِ ازل میں عقل معاش کے ساتھ جو عقل معاد بھی عطا کی گئی تھی، وہ انہوں نے ضائع نہ ہونے دی۔ ورنہ پورا تقویٰ تو قرآنی ہدایات سے سیراب ہونے پر ہی میسر آتا ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ سورۃ رحمٰن کی آیت میں ٹیکنالوجی کی طاقت کا اشارہ پانے کی بات تو عقل معاد ہی نہیں، عام عقل کے پہلو سے بھی بس ''سائنس زدگی'' ہی کہی جاسکتی ہے۔ ان آیات کا سادہ ترجمہ پڑھنے سے بھی اس بات کا اندازہ کیا جا

سکتا ہے کہ آیت کا لہجہ ایک زوردار چیلنج کا لہجہ ہے، نہ کہ کچھ سکھانے اور پڑھانے کا۔ دوسرے یہ کہ اس آیت میں انسان کے ساتھ جنات کو بھی خطاب کیا گیا ہے۔ تو جنات کا ٹیکنالوجی سے کیا تعلق؟ اور انہیں اس کی کیا حاجت؟ بالکل سیدھی سی بات ہے۔ اوپر کی آیت (۳۱،۳۲) میں جن و انس کو آگاہی دی گئی ہے: وہ وقت قریب ہے جب اللہ ﷻ کی عدالتِ حساب و کتاب برپا ہوگی۔ پھر اگلے فقرہ ۳۳ میں فرمایا گیا کہ: نافرمانی کے عادی جن و انس اگر اس بھول میں ہوں کہ وہ اس وقت خدا کے سامنے سے بچنے کے لیے زمین و آسمان کی حدود (یعنی خدا کی خدائی) سے بھی کہیں باہر نکل بھاگیں گے تو اس بھول میں نہ رہیں، یہ ناممکن اگر ممکن ہوسکتا ہے تو صرف خدا کی دی ہوئی طاقت سے ہوسکتا ہے۔ (''**لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطَان**'') اور ظاہر ہے کہ کم از کم مجرموں کو تو یہ طاقت بخشی نہ جائے گی۔ یہاں یہ ایک اور نکتہ بھی قابل لحاظ ہے کہ قرآن میں جہاں بھی جن و انس کا ذکر یکجا آیا ہے۔ ان میں یہی واحد جگہ ہے کہ جن کا لفظ پہلے اور انس کا بعد میں ہے۔ خود اسی سورہ رحمٰن کے اندر چار جگہ یہ ذکر ہے اور اُن سب کا بھی وہ حال ہے تو اس ترتیب بدلنے کا آخر راز کیا ہے؟ اصل راز تو اللہ ہی جانے لیکن ایک کھلی ہوئی بات یہ ہے کہ جنّات کو جو پل بھر میں مشرق و مغرب کے فاصلے ناپنے کی طاقت ملی ہوئی ہے، اس بنیاد پر یہ عزّہ اصلاً نہیں ہوسکتا تھا کہ ارض وسماء کے حدود بھی پھلانگ جائیں۔ انسانوں میں ایسے خال خال ہی نکلیں گے اور اس پہلو سے یہ آیت گویا اصلاً جنات ہی سے متعلق ہو جاتی ہے، جن کو کسی بھی ٹیکنالوجی کے سبق کی حاجت نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب!

سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم اپنی ملت کی پسماندگی کا راز اپنی اس ''کوتاہی'' میں کیوں سمجھنے لگے ہیں کہ ہم نے قران کو سائنسی نظر سے نہیں پڑھا۔ آج جو قومیں سائنس کے میدان میں امامت کر رہی ہیں کیا یہ اس بات کا نتیجہ ہے کہ ان کو ان کی مذہبی کتاب سے سائنس کی تعلیم اور تلقین ملی؟ یہ تو وہی کتاب ہے جس کے اینٹی سائنس ہونے نے ڈاکٹر مورس بکائے کو قرآن کے حلقۂ عقیدت میں داخل کر دیا۔ واقعہ یہ ہے کہ نہ ہماری پستی میں اس بات کا کوئی دخل ہے اور نہ ہی قرآن سائنس سکھانے پڑھانے کے لیے آیا۔ ان علوم دنیا کے لیے تو اللہ نے انسان کو عقلی صلاحیت بخشی ہے اور جو قومیں آج اس میدان میں ترقی کر رہی ہیں وہ عقلی صلاحیت سے کام لے کر کر رہی ہیں۔ ان دونوں باتوں کو سمجھنے کے لیے یہاں صرف ایک حدیث کا حوالہ بالکل کافی ہونا چاہیے۔ صحیح مسلم کی روایت ہے جو چار اصحابِ نبوی ﷺ کے حوالہ سے ان کے اپنے اپنے الفاظ میں آئی ہے۔ حاصل سب کا ایک ہے۔ بتایا گیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ آگئے تو ایک دن آپ ﷺ ایک باغ کے پاس سے گزرے تو دیکھا کہ کچھ لوگ کھجوروں کے درختوں پر چڑھے کچھ کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ کے وطنِ مقدس مکہ معظّمہ میں تو باغ ہوتے نہ تھے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ بتایا گیا کہ درختوں میں نر و مادہ ہوتے ہیں، تو نر کا شگوفہ مادہ میں ڈالا جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بھلا اس کی کیا ضرورت؟ لوگوں نے جو یہ سنا تو بس اس عمل کو ترک کر دیا اور پھر جو فصل آئی تو ناقص تھی۔ آنحضرت ﷺ کو پتہ چلا تو آپ نے فرمایا: میں جب دین کے بارے میں تم سے کچھ

کہوں تو اسے لازم جانو، اور اگر بات امور دنیا کی ہو تو ''اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَاکُمْ'' (ان امور کے معاملات کو تم اپنے تجربے کی وجہ سے زیادہ بہتر سمجھ سکتے ہو۔ کتاب الفضائل، باب ۳۸) یہ ''امور دنیا'' صرف وہی امور ہیں جن میں صحیح راہِ عمل کی دریافت کے لیے اللہ نے انسانی عقل اور تجربہ کو کفایت بخشی ہے۔ اور اس کو دوسرے الفاظ میں اس قسم کے سائنسی امور ہی کہہ سکتے ہیں جن کی ایک مثال یہ ایگری کلچرل سائنس والا معاملہ تھا جس میں آنحضرت ﷺ نے بتایا کہ اس میں انسان کا رہنما اس کا تجربہ اور اس کی تحقیق ہے۔ ورنہ ہمیں کتنے ہی امورِ دنیا نظر آتے ہیں جن میں قرآن اور سنت نبوی کے ذریعہ ہماری رہنمائی کی گئی ہے۔ اور اس کی پیروی لازم۔ یہ وہ امور ہیں جن کے ساتھ ہماری اخلاقی و روحانی زندگی کا کوئی پہلو وابستہ ہے۔ یہی وہ میدان ہے جس میں انسان وحی کا محتاج ہے۔ اور اسے اس کی رائے پر نہیں چھوڑا جا سکتا۔

قرآن کو ایک سائنسی گائیڈ بنانے کے اس رجحان کے حق میں ایک بات بڑے زور شور سے کہی جاتی ہے کہ قرآن میں احکامات کی آیتیں کم اور کائنات فطرت پر غور و فکر کی دعوت زیادہ ہے' بجا ہے۔ مگر ان مقامات میں کوئی جگہ بھی تو ایسی نہیں جہاں صاف صاف یہ ظاہر نہ ہو رہا ہو کہ یہ دعوتِ غور و فکر تمام تر اللہ کی ربوبیت، انسان کی ممنونیت اور توحید و آخرت کے دلائل کی طرف رہنمائی کے لیے ہے۔ ان دلائل کی یافت سے اگر قوانین فطرت کی طرف بھی کچھ رہنمائی ہو جاتی ہے تو بہت خوب، مگر اس ضمنی فائدہ کو اصل مقصدِ قرآن بنا لینا، قرآن میں اپنی خواہشات پڑھنے کے ہم معنی ہے۔ اور نتیجہ کے اعتبار سے وہی چیز ہے جسے قرآن کہتا ہے ''وَیُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ'' (یہ لوگ پھیر دیتے ہیں باتوں کو ان کے اصل موقع سے (المائدہ، آیت ۱۳) اور یہ ہیر پھیر ہمارے سائنسی زاویۂ نظر کے ماتحت کس حد تک جا سکتا ہے؟ اس کا عبرت انگیز نمونہ ڈاکٹر بکائے اور ''اِلَّا بِسُلْطَانٍ'' کا قصہ ہے! یہ تو بے شک حق ہے کہ قرآن اور سائنسی حقائق میں کہیں ٹکراؤ نہیں۔ اور اس کے لیے اگر ڈاکٹر مورس وغیرہ کی کتابوں سے تفصیلی دلائل و شواہد ملتے ہیں تو ضرور استفادہ کیا جائے۔ لیکن اگر یہ کتابیں اس اندازِ فکر کی طرف لے جاتی ہیں کہ ''جو قوانین فطرت نہیں جانتا وہ قرآن کو کیا سمجھے گا۔'' تو بزبانِ اکبر الہ آبادی کہنا پڑے گا کہ...... ''ہم ایسی سب کتابیں قابل ضبطی سمجھتے ہیں!''

نئے آنے والوں کو خوش آمدید ضرور کہا جائے۔ مگر اپنے دینی فہم کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں ''گے آمد وگے پیر شدی'' کے مشہور مقولے کے باوجود دے دینا اس بات کی علامت تو ہے ہی کہ ہم ذہن و ادراک کی قوت کے لحاظ سے اپنی پستی و فروتنی کے قائل ہیں، ساتھ ہی یہ ایک اس سے خطرناک تر بات کی بھی علامت ہے کہ ہم اندرونی طور پر اب تک اپنے دین کی حقیقت کے بارے میں کچھ ڈھل مل یقین تھے۔ ڈاکٹر مورس جیسے لوگ اپنے خیالات میں معذور ہو سکتے ہیں۔ وہ آئے ہی اس دنیا سے ہیں' جہاں قوانین فطرت کی تلاش و جستجو ہی سب کچھ ہے۔ وہ ایسا کہہ کر اپنے خیال میں قرآن کی اصل مرتبہ شناسی ہی کا ثبوت دے رہے ہوں گے۔ مگر واقعہ میں یہ غلط فہمی ہے۔ قوانین فطرت پر آگاہی اور دسترس کے لیے

اللہ نے عقل اور جستجو کا خود کفیل مادہ آدمی کو دیا ہے۔ قرآن خالق فطرت کی معرفت عطا کرنے اور کائنات کا اس کے ساتھ تعلق بتانے کو اُترا ہے‘ جو بغیر وحی کے انسان کے اپنے بس کی بات نہ تھی۔ مظاہر فطرت اور قوانینِ فطرت کی طرف جو اشارے قرآن میں جابجا آتے ہیں وہ خالقِ کائنات کی ذات اور ان صفات پر استدلال کے لیے آتے ہیں جن کے عقیدہ کی طرف انسان کی رہنمائی اللہ کو منظور ہے اور جس رہنمائی کو قبول کرنے پر اس کی ابدی صلاح وفلاح کا انحصار ہے۔ یہی تو چیز ہے جس کی بنا پر قرآن اپنے پیام بر کو ’’نذیر و بشیر‘‘ کا ٹائٹل دیتا ہے۔ لیکن آدمی اگر ان اشاروں سے ان مظاہر ہی میں الجھ کر رہ گیا تو افسوس اس کی نافہمی و ناشناسی پر! کیا خوب نصیحت شاعر مشرق نے چھوڑی ہے:

اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا
کہ تیرے زمان و مکاں اور بھی ہیں
قناعت نہ کر عالمِ رنگ و بو پر
چمن اور بھی آشیاں اور بھی ہیں

حُسنِ انتقاد

تبصرہ کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

کتاب: اشرف الاصول تالیف: حضرت مولانا عبداللطیف

ملنے کا پتا: مولانا خلیل احمد‘ مدیر جامعہ عربیہ چنیوٹ

علم اصول حدیث پر اردو زبان میں مخدوم العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ کا رسالہ خیر الاصول ایک جامع رسالہ ہے جس سے بلا مبالغہ لاکھوں طلبہ و علماء فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ خیر الاصول کی مقبولیت و افادیت کے باوجود اس کے اردو زبان میں ہونے کی وجہ سے ضرورت محسوس ہوتی تھی کہ خیر الاصول کی طرز پر عربی زبان میں ایک رسالہ ہو جس میں معتمد علیہ کتب سے اصطلاحات کی عربی تعریفات نقل کی جائیں اور طلباء کو یاد کرائی جائیں۔ اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے جامعہ عربیہ چنیوٹ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا عبداللطیف مدنی مدظلہ العالی فاضل جامعہ علوم اسلامیہ کراچی و جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ نے یہ رسالہ مرتب کیا ہے۔ مولانا عبداللطیف مدظلہ نے اپنے طویل تدریسی تجربات کی روشنی میں اس رسالہ کو مختصر اور جامع مانع انداز میں مرتب کیا ہے کہ بجا طور پر اسے سہل ممتنع کہا جاسکتا ہے۔ رسالہ کے آخر میں حدیث کی مختلف اقسام کا ایک نقشہ بھی دیا گیا ہے جو انتہائی مفید ہے۔ (تبصرہ: مولانا مشتاق احمد)